Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

A Mystical Approach in Sīrah Writing (A Study of Madārij al-Nubuwwah)

سیرت نگاری کا عرفانی اسلوب(مدارج النبوۃ کا مطالعہ)

Dr. Muhammad Humayun Abbas Shams
Dean Faculty of Islamic & Oriental Learning, G.C. University, Faisalabad.
drhumayunabbas@gcuf.edu.pk

Abstract

The biographers of the Holy Prophet (PBUH) generally present the events of his Sirah in chronological order, followed by a description of his prophetic virtues, excellences, and sublime qualities. Another notable approach is that of the honourable Sufis, who focus on the inner states of the heart and spiritual mysteries. They interpret the Prophet's (PBUH) status, rank, and life events through a metaphysical lens, an approach that may be termed the "spiritual dimensions of Sirah". Among the prominent prophetic biographers of the subcontinent, Sheikh Abdul Haq Mohaddith Dehlavi stands out for adopting this method in his work Madarij al-Nabuwwah. He draws upon the insights of renowned Sufis such as Shaykh Shihāb al-Dīn, Shaykh Abdul Qādir Jīlānī, and Dāwūd Ṭā'ī. By following the spiritual and mystical approach, he explains Quranic verses and Ahadith that illuminate the Prophet's (PBUH) excellences. Sheikh Abdul Haq may be regarded as a pioneer who systematically organized and refined this distinctive style in writing the Sirah in the Persian language. This study aims to explore the mystical elements in his biographical writing, highlighting how the Sufi worldview shaped his presentation of the Prophet's life and virtues.

***Keywords**: Sirah Writing, Mystical Style, Sufi Approach, Madarij al-Nubuwwah, Sheikh Abdul Haq Mohaddith Dehlavi.*

برصغیر پاک وہند میں فکری اور مذہبی رہنمائی کا کردار جن اعیان نے ادا کیا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۸۵ھ۔۱۰۵۲ھ) کا اسمِ گرامی ان میں نمایاں ترین ہے۔ شیخ عبدالحق سے علمی نسبت ہر گروہ اور مکتبِ فکر کے لیے سرمایۂ فکری ہے۔[1]

آپ کی علمی ثروت میں تنوع پایا جاتا ہے۔علومِ دینیہ کے ہر شعبہ میں آپ کی تحریرات موجود ہیں اس لیے آپ کی تحریر میں مختلف علوم وفنون کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔[۲] آپ نے روحانی فیض حضرت خواجہ باقی باللہ[۳] اور سید موسیٰ گیلانی سے حاصل کیا۔[۴] مکہ معظمہ میں شیخ عبد الوہاب تقی سے بھی نسبت قائم ہوئی۔[۵] اس وجہ سے آپ کی جملہ تصانیف میں صوفی فکر کی آمیزش موجود ہے۔حدیث وسیرت کے باب ہوں یا تاریخ 'صوفیانہ مباحث کا تذکرہ ضرور پایا جاتا ہے۔

"اخبار الاخیار"[۶] تذکرہ نگاری پر ایک عمدہ تالیف ہے۔

"مدارج النبوۃ" سیرت النبی ﷺ پر معرکۃ الآرا کتاب ہے۔اکبری عہد میں پیدا ہونے والے عقلیات کے اثرات سے جب نبوت ومقام نبوت پر تشکیکی اسلوب میں بحث ہونے لگی تو آپ نے یہ کتاب لکھ کر اس فتنہ کا دروازہ بند کیا۔سیرت نگار عموماً قبل از ولادت کے حالات اور ولادت کے واقعات سے آغاز کرتے ہیں مگر شیخ اس کتاب میں کمالات وفضائلِ نبوی سے آغاز کرتے ہیں۔شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ زمانی واقعات سے پہلے مقام وعظمت نبوی سے آگاہی ہو تو ہی مکی اور مدنی زندگی کے واقعات سمجھ آسکتے ہیں۔ان فضائل سے آگاہی کے بغیر وہ واقعات تاریخ کا حصہ ہی محسوس ہوں گے۔اس کتاب میں انھوں نے صوفیہ کے اقوال واحوال سے استشہاد کیا ہے۔دوسری جلد کے تکملہ میں آپ نے اس بات کی وضاحت کی کہ:"اس تکملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ صفات بیان کی ہیں جو اہلِ معرفت حضرات نے اپنے الفاظ میں بیان کی ہیں۔"[۷] پھر لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال واوصاف دو طرح کے ہیں ایک جو ثقہ راویوں نے احادیث میں نقل کیے اور دوسری قسم اُن اوصاف و احوال کی ہے جو مکاشفانِ اسرارِ حقیقت اور انوار وحدت کا مشاہدہ کرنے والوں نے بصیرت کی آنکھ دیکھے اور انکا اظہار وابراز کیا۔"[۸]

ان صاحبانِ دل کی بصیرت سے احوال واوصاف کا جو مجموعہ مرتب ہوا اسے عرفانیات سیرت کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔[۹]

شیخ عبد الحق نے اس تکملہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی عرفانیات سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔انھوں نے امام قشیری[۱۰]، سہل تستری[۱۱]، داؤد طائی[۱۲]، شیخ عبد القادر جیلانی[۱۳]، سید موسیٰ گیلانی[۱۴] جیسے اعیان صوفیہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔علاوہ ازیں عوارف المعارف کا ذکر بھی کیا ہے[۱۵]۔"بعض عرفا"[۱۶] "اہلِ حقیقت"[۱۷]، مشائخ طریقت[۱۸] جیسی تراکیب کے ذریعہ بھی عرفانیات سیرت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔شیخ شہاب الدین سہروردی کا قول نقل کرنے کے بعد اس پر نقد اور پھر اپنا تبصرہ بھی کیا۔غزوۂ احد میں دندانِ مبارک زخمی ہونے والے واقعہ کے پس منظر میں یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"لہٰذا شیخ صاحب عوارف المعارف کا یہ کہنا کہ حضور کی ذاتِ شریف حرکت واضطراب میں آئی اور بے صبری کا ظہور ہوا پھر آیتِ کریمہ کے نزول نے صبر واستقامت کا جامہ پہنایا اور اضطراب کے بعد زبانِ حال وقال میں سکون و قرار آیا۔یہ

مسکین (شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ) ان لفظوں کے اطلاق سے وحشت زدہ ہے (کیونکہ شانِ ادب کے خلاف ہے) اگرچہ علمی قاعدے اور قیاسی بنیاد سے یہ بات ٹھیک درست ہو سکتی ہے۔ نیز صاحب عواف رحمہ اللہ کا فرمانا کہ بعید نہیں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے "کَانَ خُلقہ القرآن" اس میں اخلاقِ ربانی کی جانب ایک گہرا رمز اور باریک اشارہ ہے لیکن ام المومنین نے عظمت برقرار رکھی یعنی وہ چاہتی تھیں کہ یہ کہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ، اخلاقِ الٰہی کے مظہر تھے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حق عزاسمہ کی جلالت شان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا کہ "متخلق باخلاق اللہ" یعنی اخلاق ربانی پر پیدا فرمائے گئے۔ لہٰذا انھوں نے اسی معنی کو اس طرح پر ادا فرمایا کہ "کان خلقہ القرآن" یعنی قرآن آپ کا خلق تھا۔" یہ تعبیر حق تعالیٰ جل اسمہ ' سے حیا اور حقیقتِ حال کو لطیف کنایہ سے مخفی کر کے بیان فرمایا۔ یہ ان کا وفورِ عقل اور کمالِ ادب ہے۔ رضی اللہ عنہا۔ یہ معنی حضور کے اخلاق کی عظمت اور اس کے لامتناہی ہونے کے بیان میں بہت زیادہ داخل ہے۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن کے معنی غیر متناہی ہیں اسی طرح حضور انور کے انوار و آثار اور اخلاق و اوصاف جمیلہ غیر متناہی ہیں اور آپ کے مکارمِ اخلاق اور محاسن جمیلہ ہر آن اور ہر حال میں تازہ بہ تازہ نو بہ نو ہوتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ پر علوم و معارف کا افاضہ فرماتا ہے اسے بجز خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ لہٰذا آپ کے اوصاف کے جزئیات کے احاطہ کی طرف درپے ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسی چیز کی طرف جو انسان کے مقدور میں نہ ہو اور نہ وہ ممکنات عادیہ میں سے ہو۔ درپے ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض عرفا سے حدیث پاک اِنَّہٗ ' لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ بیشک میرے دل پر بعض اوقات حجاب غینی آجاتا ہے" کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ اس حجاب غینی اور حضور اکرم سے اس حالت کی نسبت کی حقیقت کیا ہے تو اس عارف نے فرمایا: اے سائل! اگر تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر اور اس کے حجاب غینی کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں دریافت کرتا تو جو کچھ میں جانتا ہوں اسے بیان کر دیتا لیکن اس جگہ غین ایسے عین یعنی ذات کے ساتھ ہے جہاں غین دم نہیں مار سکتا۔ اس حدیث کی شرح رسالہ "مرج البحرین" میں مفصل موجود ہے۔ ہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بحارِ قدرت کے تلاطمِ امواج سے تقلبات اور تجلیات وارد ہوتے تھے جو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جاتے تھے ۔ نیز احکام میں ناسخ و منسوخ ہونا بھی اسی کی فرع ہے اور حضور اکرم ہر حال میں ہمیشہ ترقی و کمال میں تھے اور آپ میں کسی عظیم حال سے کمی و تنزل کی راہ نہ تھی۔"(۱۹)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک کے ضمن میں یہ عارفانہ نکات بیان فرمائے:

"درحقیقت اگر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم میں تواضع و موانست اور خوش طبعی نہ ہوتی تو کس میں تاب و تواں اور قدرت و مجال ہوتی کہ آپ کے حضور بیٹھ سکتا یا آپ سے کلام کر سکتا۔ کیونکہ آپ میں انتہائی درجہ کی

جلالت، ہیبت، سطوت، عظمت اور دبدبہ تھا۔اس کی حکمت میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی سنت ادا فرمانے کے بعد اگر حضرتِ عائشہؓ بیدار ہوتیں تو اُن سے گفتگو فرماتے ورنہ زمین پر پہلو کے بل قدرے آرام فرماتے پھر باہر تشریف لاتے اور فرض ادا فرماتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائے رات سے قیام، تلاوتِ قرآن، ذکرِ رحمٰن میں مشغول رہنے کی بنا پر حضرت حق جل مجدہ' کی جانب سے آپ پر انوار واسرار، قرب واختصاص اور حضرت جبار سے سماع کلام ومناجات کی قبولیت وغیرہ سے آپ کی ایسی حالت ہوتی کہ اس کے بیان واظہار کی کسی زبان میں تاب وطاقت نہیں۔

اور اس حالت میں کوئی شخص ملاقات کرنے یا ہم صحبت ہونے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔حضور اپنی اس حالت کو بدلنے کے لیے یا تو حضرت عائشہؓ سے گفتگو فرماتے یا پہلو کے بل زمین پر استراحت فرماتے تاکہ آپ کو حضرت عائشہؓ سے موانست حاصل ہو جائے یا اس زمین کے ذریعہ جو خلقت کی اصل ہے۔اس کے بعد جب اس علوِ مقام سے آپ باہر آتے تو مخلوقِ خدا کی طرف متوجہ ہوتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ نرم اور مہربان تھے وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔اور آپ مسلمانوں کے ساتھ مہربان تھے۔" یہ نکتہ وہ ہے جو مواہب الدینہ میں، "مدخل" میں ابن الحاج سے نقل ہوا ہے۔

بندۂ مسکین حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ثبتہ اللہ علی الطریق والیقین کا کہنا ہے کہ یہ حال اس مقام کے ساتھ ہی خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی "اعلی علیین" میں "قرب و تمکین" کے مقام میں رہتے تھے اور باطن میں کسی مخلوق سے علاقہ واتصال نہ رکھتے تھے۔البتہ بحکمِ الٰہی' دعوت وتبلیغ احکام پر مامور ہونا اور اس رحمت وشفقت کی بنا پر جو مخلوقِ خدا سے آپ کو تھی مقامِ احدیت کی بلندی سے تخصیص بشریت کی طرف نزول فرماتے تھے اور ان کے ساتھ ہم جلیس ہوتے تھے اور بمصداق اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کے سینۂ مبارک کو کشادہ نہ فرمایا) آپ میں یہ کمال ودیعت فرما دیا گیا تھا کہ حضور حق کے ساتھ دعوتِ خلق بر طریق اتم واکمل جمع فرما سکیں۔رات کا قیام اور صبح کا وقت، آپ کے اوقاتِ شریف میں ایک مخصوص وقت ہے اور یہ مقام بسبب کمال و تمام، حضور سید انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے سوا اولیا کرام کو آپ کی اتباع میں اس کا کچھ حصہ ملا ہے۔"(۲۰)

تشہد میں السلام علیک ایھا النبی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

"صاحب مواہب لدینہ ،اہلِ معرفت کے طریقہ پر فرماتے ہیں کہ نمازی جب ملکوت کے دروازے التحیات کے ذریعہ کھُلواتا ہے تو اسے حریمِ حرم عزتِ الٰہی تبارک وتعالیٰ میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جاتی ہے پھر جب اس کی دیدۂ بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور آگاہ ہو جاتا ہے اور نبی رحمت کی وساطت اور آپ کی متابعت کی برکت سے داخلِ بارگاہِ

اقدس ہو جاتے ہیں۔ اس وقت حبیبِ خدا کو حرم حبیب میں موجود پاتے ہیں تو حضور کے مواجہ ہو کر آپ پر عرض کرتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیُّہَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

بعض اربابِ تحقیق فرماتے ہیں کہ یہ خطاب، تمام ذرات و موجودات میں حقیقۂ محمدیہ کے سرایت کیے ہوئے ہونے کے اعتبار سے ہے اور بندے کے باطن میں حاضر و موجود ہونے کی وجہ سے ہے۔ بندے کو اس حالت کا انکشاف نماز میں ہوتا ہے کیونکہ نماز کی حالت میں ہونا افضل حالات اور اقرب مقامات ہے۔"(۲۱)

اسی حوالہ سے دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"بعض عرفاء کے کلام میں واقع ہوا ہے کہ نمازی کا التحیات میں صیغۂ خطاب سے حضور پر سلام عرض کرنا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس کے شہود و ملاحظہ کرنے اور تمام موجودات میں روحِ مقدس کے ذراری سرایت کرنے خصوصاً نمازیوں کی روحوں میں جلوہ فگن ہونے کی بنا پر ہے غرضیکہ نماز کی حالت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے شہود و حضور اور وجودِ گرامی سے جلوہ فگن ہونے سے غافل و بے خبر نہ رہنا چاہیے اور امید رکھنا چاہیے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح پر فیوضات وارد ہوں۔"(۲۲)

بارگاہِ رسالت میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پر صوفیہ کے افکار ان الفاظ میں نقل کیے:

"بعض مشائخ وصیت کرتے ہیں کہ سورۂ اخلاص قل ھو اللہ احد کو پڑھے اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے۔ اور فرماتے ہیں کہ "قل ھو اللہ احد" کی قراءت خدائے واحد___ کی معرفت کراتی ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت، حضور کی صحبت و معیت سے سرفراز کرتی ہے اور جو کوئی سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے گا یقیناً اسے خواب و بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔ جیسا کہ شیخ امام، علی متقی نے "الحکم الکبیر" میں شیخ احمد بن موسیٰ المشروع سے نقل فرمایا ہے۔

بعض متاخرین مشائخ شاذلیہ قدست اسرارہم فرماتے ہیں کہ طریقِ سلوک، تحصیل معرفت اور قربِ الٰہی کے حصول کے لیے جس وقت کہ اولیائے کرام کا وجود مفقود ہو اور جس زمانہ میں وہ موجود نہ ہوں اس وقت ظاہر شریعت پر بالالتزام عمل کرنا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک اور آپ پر کثرتِ درود کو ہمیشہ لازم کر لینا مرشدِ متصرف کا کام دے گا کثرتِ درود سے باطن میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے منازلِ سلوک طے پا جاتے ہیں اور براہِ راست حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے فیضان و اعانت اور امداد حاصل ہوتی ہے۔

اور بعض مشائخ ذکر پر درود کو توسل و استمداد کی حیثیت سے ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں۔ اگرچہ ذکر بذاتِ خود اشرف و افضل ہے اور طریقۂ شاذلیہ کا خلاصہ (یہ حقیقت میں طریقۂ قادریہ کی شاخ ہے) بارگاہِ نبوت سے استفاضہ ہے اور یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سپردگی کو لازم کرنے اور آپ سے دائمی حضوری کے ذریعہ اور وسیلے سے ہے۔

شیخ اجل واکرم قطب الوقت عبد الوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ ونفعنا ببر کاتہ' وبرکاتِ علومہ فرماتے ہیں کہ درودِ شریف پڑھتے وقت یہ جاننا چاہیے کہ دریائے فضل و رحمت کے کون کون سے دریاؤں میں شناوری کر رہا ہے اور کہاں کہاں غوطہ زن ہے۔ اللہم جب کہتے ہیں تو دریائے رحمتِ الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بندہ جب اللہم کہتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء الٰہی کو یاد کر لیتا ہے اور جب "صلِ علیٰ سیدنا محمد" کہتا ہے تو وہ سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دریائے فضل و کرم میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ "وعلیٰ آلہ واصحابہ" کہتا ہے تو ان کے فضائل و کمالات میں غرق ہو جاتا ہے اور جب بندہ ان نامتناہی دریاؤں میں شناوری کرتا اور غوطہ زن ہوتا ہے تو پھر محروم و مایوس نکلنے کی کیا صورت ہے جس وقت اس فقیر کو (یعنی شیخ محقق شاہ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ) کو حضرت شیخ اجل عبد الوہاب متقی رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ کے سفر کے لیے رخصت فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ تم یاد رکھو کہ اس سفر میں بعد ادائے فرائض، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے بلند تر کوئی عبادت نہیں ہے جب ان سے اس کی تعداد دریافت کی گئی تو فرمایا یہاں کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ جتنا ہو سکے پڑھو۔ اسی سے رطب اللسان رہو اور اسی کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ ایسے وقت کے علاوہ وہ طالب کو تلقین فرمایا کرتے تھے اور روزانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر درود کو ہزار مرتبہ سے کم نہ مقرر کرنا چاہیے اگر اتنا نہ ہو سکے تو پانچ سو مرتبہ لازمی ہو گویا کہ ہر نماز کے بعد ایک سو مرتبہ اور اپنے لیے تین سو سے کم ہر گز تجویز نہ کرتے تھے اور سونے سے پہلے بھی یقیناً وقت کو خالی نہ رکھنا چاہیے۔"(۲۳)

اخلاقِ کریمانہ کے بیان سے پہلے بھی ایک صوفی کا قول نقل کر کے بات شروع کی:

"عوارف المعارف میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ پوری عقل کے سو حصے ہیں ان میں سے ننانوے حصے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میں ہیں اور ایک حصہ تمام مسلمانوں میں۔ بندۂ مسکین کہتا ہے (یعنی شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ورزقہ اللہ الثبات والیقین فرماتے ہیں) کہ اگر وہ یوں کہیں کہ عقل کے ہزار حصے ہیں جن میں سے نو سو ننانوے حصے حضور میں ہیں اور ایک حصہ تمام لوگوں میں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس لیے کہ جب آپ میں بے نہایت کمال ثابت ہے تو جو کچھ بھی کہا جائے گا بجا ہو گا۔

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ وَاِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ(۲۴)

"بیشک ہم نے آپ کو خیر کثیر مرحمت فرمائی اور آپ کے بد گو ہی ذلیل و خوار ہیں۔"

کان خلقہ القرآن کے ضمن میں عظمت و رفعت مقامِ مصطفےٰ پر یوں اظہار فرمایا ہے:

"اس کے یہی معنی و مطلب ہیں۔ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ کسی کا فہم اور کسی کا قیاس حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقامِ حقیقت اور آپ کے حال کی کنہ عظیم تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور بجز خدا کے کوئی نہیں پہچان سکتا جس طرح خدا کو حضور کی مانند کماحقہ کوئی نہیں پہچان سکتا لَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ اس کی تاویل کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا:

جز خدا انشناخت کس قدر تو زانکہ

کس خدا را ہمچو تو نشناختہ ؟

خدا کے سوا آپ کی قدر و منزلت کوئی نہیں جان سکتا اس لیے کہ جس طرح آپ کی مانند خدا کو کوئی نہیں جان سکتا۔

جب کہ آپ کا مقام سب سے بلند تر ہے تو اس کی دریافت بھی لوگوں کے فہموں سے اونچی ہے:

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند

بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

آپ کو جیسے کچھ کہ آپ ہیں کوئی نظر کہاں دیکھ سکتی ہے۔

ہر شخص اپنی فہم ادراک کے مطابق ہی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

تحقیق معنیٰ میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ حیطۂ ادراک سے ماورا تھے اگر آپ محسوس ہیں (یعنی ظاہری جسم شرفی میں نظر بھی آتے ہیں) تو قوتِ باصرہ کے ادراک کی قوت سے بلند و بالا ہیں۔ جس طرح کوہِ عظیم کہ احساسِ باصرہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور آپ عقول ہیں (یعنی نظر سے نہیں بلکہ عقل و فہم سے تعلق ہے۔) تو عقل آپ کے ادراک میں احاطہ کرنے سے عاجز ہے جس طرح کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا حال ہے۔ (کہ کوئی عقل اس کی کنہ حقیقت کی رسائی نہیں کر سکتی) لہٰذا جب اللہ تعالےٰ نے آپ کے خُلقِ کریم کو عظیم فرمایا اور جو فضیلت اس نے آپ کو عنایت فرمائی اسے بھی عظیم فرمایا تو اس کے کنہ کے ادراک کرنے میں عقل قاصر ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ حسنہ جبلی، فطری اور پیدائشی ہیں اور ان اِخلاقِ عظیمہ کے حصول میں کسب و ریاضت کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ اس کی احتیاج، خصوصاً سید انبیا صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ و علیہم جو کہ تمام اخلاقِ عظیمہ اور صفاتِ حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ تشریف لائے ہیں:

بتعلیم و ادب اوراچہ حاجت

کہ او خود ز آغاز آمد مودّب

ان کو تعلیم و ادب کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ خود ہی شروع سے سیکھے ہوئے تشریف لائے۔"(۲۵)

کتاب کا آغاز آیتِ مبار کہ ھو الاول والاخر والظاہر والباطن کی تفسیر سے کیا اور اس سے نعتِ نبی کے جو موتی کشید کیے لائقِ مطالعہ ہیں:

"ھو الاول والآخر والظاہر والباطن وھو بکل شیی علیم (وہی ذات اول وآخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے) یہ کلمات اعجاز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حمد و ثنا پر بھی مُشتمل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی کبریائی کے ذکر و بیان کے خطبہ میں ارشاد فرمایا اور حضور اکرم سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت کو بھی شامل ہیں کیونکہ حق

سُبحانہ وتعالیٰ نے ان اسماء وصفات کے ساتھ آپ کی توصیف فرمائی باوجودیکہ یہ اسماء مجملہ اسماء حسنٰی بھی ہیں۔ اور وحی متلو (جس کی تلاوت کی جاتی ہے جو کہ بواسطہ جبریل علیہ السلام خدا کا ارشاد ہوتا ہے) اور وحی غیر متلو (جس کی تلاوت نہ کی جائے جو بغیر کسی واسطہ کے القاء، خواب اور براہِ راست کلامِ الٰہی کا نزول ہو۔) ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسمِ گرامی قرار دے کر آپ کے حُلیہ مبارک کو حسن وجمال اور کمال وخصال کا آئینہ دار بنایا۔ اگرچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء صفات سے متخلق ومتصف ہیں اس کے باوجود خصوصیت کے ساتھ ان میں سے کچھ صفات کو نامزد کر کے گنایا۔ مثلاً نُور، علیم، حکیم، مومن، مہمین، ولی، ہادی، رؤف اور رحیم وغیرہ۔ اور یہ چاروں مذکورہ اسماءِ صفات یعنی اول، آخر، ظاہر، باطن بھی انھی قبیل سے ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسمِ صفت "اوّل" کیسے ہے؟ تو یہ اولیت اسی بنا پر ہے کہ آپ کی تخلیق موجودات میں سب سے اول ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا یہ کہ آپ مرتبۂ نبوت میں بھی اول ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَّاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِی طِیْنَتِہٖ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم اپنے خمیر میں ہی تھے) یہ کہ آپ ہی روزِ میثاق سارے جہان سے پہلے جواب دینے والے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمھارا رب نہیں؟) قَالُوْا بَلٰی (سب نے کہا ہاں) یہ کہ آپ ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں چنانچہ فرمایا:

وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ (اللہ پر جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس کے حکم کی تعمیل کی ان میں سب سے پہلے مومن ہوں)۔ یہ کہ جب زمین شق ہو گی اور لوگ اس سے نکلیں گے تو میرے لیے سب سے پہلے زمین شق ہو گی۔ یہ کہ (روزِ قیامت) سب سے پہلے میں ہی سجدہ کرنے کی اجازت پاؤں گا۔ یہ کہ بابِ شفاعت سب سے پہلے میرے لیے ہی کھُلے گا۔ یہ کہ سب سے پہلے میں ہی جنت میں داخل ہوں گا۔

اس سبقت واولیت کے باوجود بعثت ورسالت میں آپ آخر ہیں چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (لیکن آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں) اور یہ کہ کتابوں میں آپ کی کتاب قرآن کریم آخری اور دینوں میں آپ کا دین آخری ہے چنانچہ فرمایا:

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ہم وہ آخر ہیں جو (ایک اعتبار سے) سابقوں میں۔

کیونکہ بعثت میں یہ آخرت وخاتمیت اور فضیلت میں اوّلیت وسابقیت کا موجب ہے اس لیے کہ آپ ہی گزشتہ تمام کتابوں اور دینوں کے ماحی اور ناسخ ہیں۔

اب رہا آپ کا ظاہر وباطن ہونا تو آپ ہی کے انوار نے پورے آفاق کو گھیر رکھا ہے جس سے سارا جہاں روشن ہے۔ کسی کا ظہور آپ کے ظہور کی مانند اور کسی کا نُور آپ کے نُور کے ہم پلہ نہیں اور باطن سے مراد آپ کے وہ اسرار ہیں جن کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور قریب اور بعید کے لوگ آپ کے جمال اور کمال میں کھو کر رہ گئے۔
وَھُوَ بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (وہی ہر شے کا جاننے والا ہے) کا ارشاد بلاشُبہ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ فَوْقَ کُلِّ ذِيْ عِلْمٍ (ہر صاحبِ علم کے اُوپر اور زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ ہی میں موجود ہیں۔ علیہ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔"(۲۶)

ان اقتباسات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیرت نگار زمانی ترتیب سے جن واقعات کو مرتب کرتے ہیں وہ مطالعہ سیرت کا ایک پہلو ہے۔ ایک دوسرا زاویۂ نگاہ صوفیا کا ہے جنھوں نے اپنی اصطلاحات اور الفاظ وتراکیب میں مقامِ نبوی ﷺ کی رفعتوں کو بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عرفانیات سیرت کے اس پہلو کو بھی کتب تصوف سے جمع کر کے مطالعۂ سیرت کا حصہ بنایا جائے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے احوال و آثار کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

i. محدث دہلوی، شیخ عبد الحق، اخبار الاخیار، النوریہ الرضویہ پبلشنگ، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص:۲۹۸۔۳۱۸

ii. نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۴ء

iii. قادری، ڈاکٹر محمد یونس، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، موضوعاتی مطالعہ، مکتبہ الحق، کراچی، ۲۰۰۷ء

۲۔ خلیق نظامی نے آپ کی تصانیف کی تعداد ساٹھ بتائی ہے (حیاتِ شیخ عبد الحق، ص:۱۶۰) مگر ڈاکٹر محمد یونس قادری کے مطابق ۱۳۴ سے زائد لکھی ہے (شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص:۱۱۸)

۳۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، کتاب محل، لاہور، ص:۲۵۔۱۱۳

۴۔ احوال وحیات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

گیلانی، محمد سبطین، تذکرہ سید موسیٰ پاک شہید گیلانی، موسیٰ پاک شہید چیئر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر محمد یونس قادری نے ان کی کتاب تیسیر الشاغلین کا ذکر کیا ہے (شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص:۱۴۱)

۵۔ ملاحظہ فرمائیں:

اخبار الاخیار، ص:۲۶۹۔۲۷۸

۶۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس کتاب کو ایک نئے منہج پر ترتیب دیا، اس کا اردو ترجمہ مولانا سبحان محمود اور مولانا محمد فاضل نے کیا۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی سے شائع ہوا۔

۷۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق، مدارج النبوۃ، مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، س ن، جلد دوم، ص:۹۹۴

۸۔ ایضاً

۹۔ راقم کی کتاب علوم السیرۃ میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ اس کتاب کو علوم القرآن اور علوم الحدیث جیسے فن کی طرح مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اردو زبان میں یہ شاید اس طرح کی اولین کوشش ہے، پروگریسو بکس لاہور نے اس کو شائع کیا ہے۔

۱۰۔ مدارج النبوۃ، جلد اول، ص:۴۷۲

۱۱۔ ایضاً، ص:۵۵۵، ۵۱۱، ۵۰۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۷۵۰

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۴۷

۱۴۔ سید موسیٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ عبد الحق نے مکاتیب (مکتوب ۵۰) اور ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ میں استفادہ کیا۔ اخبار الاخیار میں ان کے احوال درج کیے (ص:۳۱۶)۔ خلیق نظامی نے کہا کہ شیخ محدث نے اخبار الاخیار میں دو بزرگوں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور شیخ موسیٰ کے تذکرہ میں انشا پردازی کا پورا زور صرف کر دیا ہے۔ (حیات شیخ عبد الحق، ص:۱۳۲)۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیخ عبد الحقؒ کو موقعہ ملنا چاہیے ان کے ذکر کا۔ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں: ”میرے پیرو مرشد سیدی الشیخ موسیٰ الجیلانی کی ایڑیاں صفاء ولطافت میں اس حد تک تھیں

کہ کسی حسین و جمیل کے رخسار بھی ایسے نہ ہوں گے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حلیہ مبارک سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔"(مدارج النبوۃ، جلد اول، ص:۴۱)

۱۵۔ مدارج النبوۃ، جلد اول، ص:۴۱

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۵۱

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۶۳

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۰۰

۱۹۔ ایضاً، ص:۶۵۔۶۶

۲۰۔ ایضاً، ص:۸۸۔۸۹

۲۱۔ ایضاًص:۶۲۹

۲۲۔ ایضاً، ص:۲۵۱

۲۳۔ ایضاً، ص:۵۷۴۔۵۷۵

۲۴۔ ایضاً، ص:۷۰

۲۵۔ ایضاً، ص:۶۴۔۶۵

۲۶۔ ایضاً، ص:۷۔۸